عہد مغلیہ میں فارسی ادب وتاریخ نگاری

ڈاکٹر محمد عابد حسین
شعبہ فارسی پٹنہ یونیورسٹی

ہندستان کی اسلامی تاریخ کو اجمالی طور پر دو الگ الگ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہلا دور :- قبل از تیمور ہے جو سلطان شہاب الدین بن سام (۶۰۲-۵۹۹) معروف بہ" محمد غوری کے فتح دہلی ۵۸۸ھ سے شروع ہو کر سلطان ابراہیم لودی (۹۳۲ھ) پر ختم ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا دور :- تیموریوں کا ہے جو ظہیر الدین محمد بابر ۹۳۲ھ سے بہادر شاہ ظفر ۱۲۷۴ھ تک کا ہے۔ پہلے دور کو" دور سلطنت کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خاندانوں نے دہلی کے تخت پر حکومت کی۔

۱۔ سلسلہ غلامان ۶۰۹-۶۰۲ھ
۲۔ سلسلہ خلجیان ۷۲۰-۶۸۹ھ
۳۔ سلسلہ تغلقان ۸۱۷-۷۲۰ھ
۴۔ سلسلہ سیدان ۸۵۵-۸۱۷ھ اور
۵۔ سلسلہ لودیان ۹۳۲-۸۵۵ھ

دوسرا دور۔ اگر چہ بابر سے شروع ہوتا ہے جس میں فارسی زبان کو ہندوستان کی سرزمین میں پھلنے اور پھولنے کا موقع ملا، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ محمود غزنوی (۴۲۱-۳۸۷) کے ابتدائی عہد میں ہی فارسی زبان نے ہندوستان میں اپنا ایک مقام بنالیا تھا۔ اور بعد کے دور میں دکن کی عادل شاہی، نظام شاہی اور قطب شاہی حکومتوں نے بھی، جن میں سے بعض تیموریوں کے ہمعصر بھی رہے ہیں، فارسی زبان سے خصوصی لگاؤ رکھا۔ گویا تیموریوں سے پہلے ہندوستان میں فارسی زبان وادب کے لئے ایک ماحول تیار ہو چکا تھا اور تیموری حکومت کے قیام نے تو نقشہ ہی بدل دیا خاص کر اکبر (۱۰۱۴-۹۶۳ھ)، جہانگیر (۱۰۳۷-۱۰۱۴ھ) اور شاہجہان (۱۰۶۸-۱۰۳۷ھ) کے زمانہ میں فارسی زبان وادب کی ترقی درجہ کمال تک پہونچ گئی۔ چونکہ یہ

سلاطین خود نکتہ فہم اور سخن سنج تھے اور قدرت نے بھی پیدائشی طور پر ایک فطری لگاؤ ان کو ودیعت کیا تھا، جس کا صحیح اندازہ بعد کی تحریروں سے کیا جاسکتا ہے یہاں ایک تاریخی پس منظر پیش کیا جاتا ہے تا کہ مربوط انداز میں فارسی تاریخ نگاری کو سمجھا جاسکے۔

ا۔ ظہیر الدین محمد بابر (م ۹۳۷ھ) نے جو ایک ترک زادہ اور سلسلہ تیموری کا بانی ہے میدان کارزار میں نمایاں کارنامہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ شعروادب کے میدان میں بھی اپنا شاہکار چھوڑا ہے۔ چنانچہ ترکی اور فارسی زبان میں ایک دیوان، ترکی زبان میں فقہ حنفی پر ایک مثنوی ''مبین''۱ کے نام سے، اور ترکی زبان میں ایک رسالہ منظوم والدیہ۲ کے نام سے ہے۔ نثر میں ''واقعات بابری'' جو ایک تاریخی شاہکار ہے اور ایک رسالہ فن عروض ۳ میں ترکی زبان میں یادگار چھوڑا ہے۔

بابر کا فارسی کلام نہایت سادہ، رواں اور سلیس ہے جس سے ان کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ کلام کا ایک نمونہ یہاں حاضر ہے۔

خراباتی رندے پرستم ‌‌ ‌‌ ‌‌ بہ عالم ہر چہ می گویند ہستم ۴

ایک دفعہ بابر نے قلعہ میانہ کا محاصرہ کیا اس وقت فی البدیہ یہ قطعہ لکھ کر صاحب قلعہ کو بھیجا:

با ترک ستیز مکن ای میر میانہ
چالاکی ومردانگی ترک عیان است
گرزود نیائی ونصیحت نکنی گوش
ہر آنچہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

۲۔ نصیر الدین ہمایوں (م ۹۶۳) ہمایوں کی زندگی، ایران میں پناہ لینا اور طہماسپ شاہ صفوی کی مدد سے دوبارہ ہندوستان کی حکومت پر متمکن ہونا عہد تیموریہ کی تاریخوں میں تفصیل سے مذکور ہے، یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ فارسی شعر وادب سے اس کا کیسا گہرا تعلق تھا، ابو الفضل نے لکھا ہے۔

'' توجہ عالی بہ شعر وشعراء داشتند وازان جا کہ طبع موزون از خصائص فطرت سلیم داشت در خلال اوقات واردات قدسی را چہ از حقیقت وچہ از مجاز درسلک نظم می کشیدند دیوان شعر آن حضرت در کتابخانہ عالی موجود است ۵

ہمایوں علم نجوم، ریاضی اور شعر گوئی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ نمونہ کلام اس طرح ہے۔

سراسر شادی عالم بیکدم غم نمی ارزد
بزم دم عمر صد سالہ گردانی آدم نمی ارزد
بجو د جنت الماوا ء بنودی این ہمایون را
کہ جنت ہم بسر گردانی آدم نمی ارزد ۶

۳۔ جلال الدین محمد اکبر (م ۱۰۱۴) اکبر کے پچاس سالہ دور حکومت میں فارسی زبان وادب کی ترقی بام عروج پر پہونچ گئی اور نظم ونثر کے تمام شعبوں میں نمایاں ترقی ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اکبر اپنے آبا واجداد کی طرح تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ لیکن علماء ادباء اور شعراء کی صحبت نے اسے ادب شناس اور شعر فہم بنادیا تھا۔ ابوالفضل نے لکھا ہے۔

''طبع الہام پذیر آنحضرت بگفتن نظم ہندی وفارسی بغایت موافق افتادہ در دقائق شعری نکتہ سنجی وموشگافی میفر مایند''

اس ادب پرور ذوق نے ہر میدان کے نابغہ روزگار کو اس کے دربار میں جمع کردیا تھا۔ پورے عالم میں اس دور کی تخلیقات آج کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ خود بھی شاعر تھا۔ ہفت اقلیم' اور 'عرفات العاشقین' میں اکبر کے بہت سے اشعار منقول ہیں۔ ایک شعر یہ ہے:۔

گریہ کردن زغمت موجب خوشحالی شد
ریختم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

۴۔ نور الدین محمد جہانگیر (م ۱۰۳۷) نور الدین محمد جہانگیر کا زمانہ بھی علم ودانش کے لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ خود کامل درجہ کا انشاء پرداز، تاریخ نگار، شاعر اور خوش نویس تھا۔ فارسی تاریخ میں ''جہانگیر نامہ'' اس کی گرانقدر یادگار ہے۔ جہانگیر نامہ میں اس کے اشعار بہت زیادہ منقول ہیں۔ ایک رباعی یہ ہے:

ہر کس بہ ضمیر خود صفا خواہد داد
این قالب خاک رابقا خواہد داد
ہر جا کہ شکستہ ای بود دستش گیر

بشنو که ہمین کاسہ صدا خواہد داد

ایک اور شعر

ساغر بررخ گلزاری میباید کشید
ابر بسیار است می بسیار میباید کشید

۵۔ شہاب الدین محمد شاہجہان (م ۱۰۶۸) شاہجہاں کا نام محمد خرم ہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰۳۷ھ میں تخت پر بیٹھا۔ ہر چہار جانب شعر وادب کا ماحول گرم تھا۔ ہندوستانی اور غیر ہندوستانی فضلاء ادباء شعراء مورخ اور فنکاروں کی ایک بڑی جماعت اس کے گرد، دربار میں موجود تھی اور شاہی انعاموں، بخششوں اور عنایتوں سے فیضیاب ہورہی تھی۔ شاہجہاں نے اپنے دربار میں ملک الشعراء کا عہدہ قائم کرکے ابو طالب کلیم ہمدانی کو اس عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا۔ آباء و اجداد کی طرح گرچہ کوئی علمی کار نامہ یادگار نہیں چھوڑا لیکن بقول صباح الدین عبد الرحمٰن، شاہجہاں نے عشق ومحبت کا جاودانی نغمہ'' تاج محل'' کی صورت میں گایا اور اپنے حسن ذوق اور ذوق حسن کو کتابی صفحوں یا شعری دوادین کے بجائے اپنی سلطنت کے دیوان خاص اور دیوان عام کے درودیوار اور جامع مسجد دہلی کے نقش ونگار کی شکل میں چھوڑ گیا ہے۔''[۷]

۶۔ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) عالمگیر کے پچاس سالہ دور حکومت میں ہندوستان پہلی مرتبہ ایک پرچم کے نیچے آیا اور تبت سے راس کماری اور کابل سے برما تک ایک بادشاہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ عالمگیر شمشیر وقلم میں برابر درجہ کا استاد تھا۔ ادبی ذوق اس کو وراثت میں ملا تھا۔ وہ جید عالم اور ماہر ادیب تھا مکاتیب عالمگیر تاریخی دستاویز کے ساتھ انشاء پردازی کا عمدہ نمونہ ہے۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی زبان سے پوری طرح واقف تھا۔ ملک الشعراء کے منصب کو گرچہ اس نے ختم کردیا لیکن شعر شناس تھا۔ استادوں کے کلام کو برابر مطالعہ میں رکھتا اور آخری ایام میں اس کو برابر پڑھتا تھا۔

بیک لحظہ، بیک ساعت، بیک دم
دگر گوں می شود احوال عالم[۸]

اس دور میں بھی کئی تاریخی شاہکار وجود میں آئے۔ مثلاً 'عمل صالح'، 'عالمگیر نامہ'، مرأۃ

العالم' و' واقعات عالمگیری' وغیرہ

یہاں ایک نگاہ اس پر ڈالتے چلیں کہ ایرانی دانشمند جو مختلف ادوار میں ہندوستان آئے ہیں، اس کی تفصیل کیا ہے۔احمد گل چین کے مطابق عادل شاہی، نظام شاہی اور قطب شاہی دور میں ۳۷ نفر، بابر کے زمانہ ۹ رنفر، ہمایون کے زمانہ میں ۳۳ رنفر، اکبر کے زمانہ میں ۲۵۹ نفر، جہانگیر کے زمانہ میں ۱۷۳ نفر، شاہجہاں کے زمانہ میں ۱۱۴ نفر، اورنگ زیب کے زمانہ میں ۶۶ نفر اور بہادر شاہ کے زمانہ میں ۷ ہنرمند، ادیب اور دانشور ہندوستان آئے۔9 یہ تمام مہاجرین ایران، علمی اور ادبی میدان کے سورما تھے جن کی یادگاریں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

اب ہم تیموری دور میں تاریخ نگاری کا جائزہ لیتے ہیں۔

تیموریوں سے پہلے تاریخ نگاری:

تیموریوں کے پہلے ہندوستان میں جو تاریخی کتابیں وجود میں آئیں ان میں سے سب اہم اور پہلی تصنیف 'تاج المآثر' ہے۔صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے شہاب الدین محمد غوری کے آخری عہد میں (۶۰۲ھ) میں اس کتاب کو لکھنا شروع کیا اور التمش کے دور میں مکمل کیا۔ اس کتاب میں محمد غوری، قطب الدین ایبک اور التمش کے ابتدائی پانچ سال کے واقعات درج ہیں۔ اس کے علاوہ معتبر تاریخی کتابوں میں ایک کتاب ''چچ نامہ' ہے جو محمد بن علی کوفی کے ذریعہ ۶۱۳ھ میں عربی زبان سے فارسی میں منتقل ہوئی۔ یہ کتاب بعد کے مورخین کے لئے منبع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح 'طبقات ناصری' (۶۵۷-۶۵۸ھ) قاضی منہاج الدین جورجانی کے ذریعہ، 'خزائن الفتوح' امیر خسرو دہلوی کے ذریعہ، تاریخ فیروز شاہی (۷۵۸ھ) ضیاء الدین برنی اور تاریخ مبارکشاہی (۸۵۵ھ) یحیٰ ابن احمد سرہندی کے ذریعہ تالیف کی گئیں۔ ان میں سے ہر ایک تاریخی لحاظ سے کافی اہم ہے۔ اس کے علاوہ امیر خسرو دہلوی کی تاریخ مثنویاں بھی اسی دور کی تصنیف ہیں۔

تیموری عہد میں تاریخ نویسی:-

تاریخ نویسی کو اس دور میں کافی ترقی حاصل ہوئی۔ چونکہ تیموری بادشاہوں کو تاریخ نگاری سے ذاتی دلچسپی تھی اس لئے ہر ایک نے خصوصی توجہ دی اور اپنی سرپرستی میں آدمیوں کو اس کام کے لئے مقرر

کیا۔

اس دور کی پہلی تاریخی تصنیف ''طبقات بابری'' ہے، زین الدین خوافی نے ۹۲۶ھ میں بابر کی ترکی کتاب ''واقعات بابری'' کا رفارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ مترجم نے صرف ترجمہ پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے ذاتی مشاہدات کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے کئی تراجم مختلف ناموں سے ہوئے۔ ''تزوک بابری'' کے نام سے دونفر میرزا پایندہ حسین غزنوی اور محمد قلی حساری نے ۹۹۴ھ میں اور میرزا عبد الرحیم خانخان نے ۹۹۷ھ میں'' بابرنامہ'' کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔۱۰

ہمایوں کے زمانہ میں سیاسی عدم استحکام نے تاریخ نویسی میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہونے دی۔ تاہم دو اہم تاریخی کارنامے اس دور کی یادگار ہیں۔ ایک میرزا محمد حیدر دوغلت کاشغری کی تصنیف ''تاریخ رشیدی'' ہے جو ۹۵۳ھ میں لکھی گئی اور دوسری ''تاریخ ہمایونی'' یا تاریخ ابراہیمی ہے جو ۹۸۵ھ میں ابراہیم بن جریر کے ذریعہ لکھی گئی۔ گرچہ بعضوں نے اس کتاب کو بابر کے زمانہ سے منسوب کیا ہے، لیکن مورخین نے تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔۱۱

اکبر کا دور تاریخ نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکبر کی ذاتی دلچسپی اور سرپرستی نے تاریخ نگاری میں چار چاند لگادئے اور شاہکار تصانیف وجود میں آئیں جن میں احمد نانوتوی کی ''تاریخ الفی'' (۱۰۰۰ھ)، ابو الفضل علامی کی تالیف ''اکبر نامہ'' (۱۰۱۰ھ) محمد عارف قندھاری کی ''تاریخ اکبری'' نظام الدین ہروی کی ''طبقات اکبری'' (۱۰۰۲ھ) عبد القادر بدایونی کی '' منتخب التواریخ '' (۱۰۰۴ھ) عبد الحق محدث دہلوی کی تصنیف ''تاریخ حقی'' (۱۰۰۵ھ) اور نور الحق دہلوی کی ''زبدۃ التواریخ '' (۱۰۱۴ھ) قابل ذکر ہیں۔

جہانگیری عہد نے بھی تاریخ نویسی میں کمال پیدا کردیا۔ یہ پختگی فن کا دور ہے۔ تاریخ نگاری پر خصوصی توجہ ہوئی اور بہت سی تصانیف وجود میں آگئیں۔ مثلاً خواجہ محمد سبزواری کی ''روضۃ التواریخ '' (۱۰۱۵ھ)، سکندر بن محمد گجراتی کی ''مراۃ سکندری''، حسن بیگ خاکی شیرازی کی ''منتخب التواریخ ''، خواجہ عبد الباقی نہاوندی کی ''مآثر رحیمی'' (۱۰۲۵ھ) نور الدین محمد جہانگیر شاہ کی تصنیف ''جہانگیر نامہ'' (۱۰۳۱ھ) اور معتمد خان کی ''اقبال جہانگیری'' (۱۰۳۷ھ) ان میں کچھ اہم تاریخی

تصانیف ہیں۔

اس دور کی ایک خاص بات قابل توجہ یہ ہے کہ زیادہ تر مورخ ایرانی ہیں خود جہانگیر بادشاہ کی تصنیف ''جہانگیر نامہ'' بھی بلا واسطہ فارسی زبان میں ہے، جس سے جہانگیر کی ذاتی دلچسپی اور فارسی زبان سے غیر معمولی عشق کا پتہ کا چلتا ہے۔

شاہجہانی عہد میں تاریخ نگاری:

فارسی تاریخ نگاری کے لحاظ سے شاہجہانی دور تیموریوں کا درخشندہ دور ہے۔ شاہجہاں نے تاریخ نویسی کی ترویج واشاعت کے لئے کئی اقدامات کئے مثلاً۔

۱۔ تاریخ نگاری کا ایک خاص شعبہ اپنے دربار میں قائم کیا اورمشہور مورخین کو اس میں مقرر کیا۔

۲۔ شاہی انعام واکرام کی نوازش مورخین کے لئے عام کردی۔

۳۔ مختلف زبانوں کی تاریخی کتابوں کو فارسی میں منتقل کرنے کے لئے ایک فرمان جاری کیا۔

۴۔ منظوم تاریخ نویسی کے لئے اپنے ملک الشعراء کلیم ہمدانی کو مقرر کیا۔

اس کے علاوہ ہزاروں دیگر امراء نے اپنے اعتبار سے تاریخ نگاروں کی سرپرستی فرمائی۔ چنانچہ اس ماحول سے متاثر ہوکر ہندو دانشمندوں نے بھی تاریخ نویسی کی طرف توجہ کی۔ گویا ایک عمومی فضا قائم ہوگئی اور ہر طرح کی تاریخیں مثلاً تاریخ رسمی، تاریخ خصوصی، تاریخ مذہبی شخصی یا مونوگراف اور تاریخ منظوم وجود میں آئیں۔۲۱ اذیل کی تفصیل سے اس کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔

اس دور کی اہم تواریخ میں عبد الحمید لاہوری کی تصنیف ''بادشاہ نامہ'' (۲۰۵۸ھ) کو اول مقام حاصل ہے۔ شاہجہاں کی حکومت کے بیس واقعات کو ابو الفضل علامی کی تالیف ''اکبر نامہ'' کے طرز پر مصنف نے اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ کتاب کی ترتیب حسب ذیل چارحصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ مقدمہ: اس حصہ میں فہرست مطالب، سبب تالیف، انتساب، شاہجہاں کے ایام شاہزادگی اور اس کے آباء واجداد کے مختصر حالات درج ہیں۔

۲۔ دوسرا حصہ: دفتر اول کے نام سے موسوم ہے اور اس میں (۱۰۳۷ھ سے ۱۰۴۷ھ)

تک کے احوال درج ہیں۔

۳۔ تیسرا حصہ: دفتر دوم ہے اس میں (۱۰۴۷ھ سے ۱۰۵۷ھ) تک کے حالات کو شامل کیا گیا ہے۔

۴۔ خاتمہ: اس حصہ میں اس دور کی علمی روحانی، سیاسی اور انتظامی شخصیات کے احوال کا تذکرہ ہے۔

عبد الحمید لاہوری اس دور کا زبردست انشاء پرداز رہا ہے۔ اس لئے اپنے فنی مہارت کو استعمال کرتے ہوئے اس نے نثر مصنوع میں اس کتاب کو لکھا ہے، محمد صالح کنبوہ کے مطابق:

''ہنگام نگارش مطالب داد عبارت آرائی میدہد''[۳۱]

''بادشاہ نامہ، کے نام سے اس دور میں اور بھی تواریخ لکھی گئی ہیں۔ ایک محمد امین قزوینی کی کتاب ہے جو انہوں نے ۱۰۴۷ھ میں ''بادشاہ نامہ'' کے نام سے تصنیف کی ہے۔ مؤلف امینا ی قزوینی یا ایمینا ی منشی یا میرزا امینا کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں تین حصے قائم کئے ہیں:

۱۔ اس حصہ میں شاہجہاں کی ولادت، شاہزادگی اور تاج گذاری کے احوال کو بیان کیا ہے۔

۲۔ اس حصہ میں مؤلف نے شاہجہاں کے اول دس سال (۱۰۴۷ھ۔۱۰۳۷ھ) تک کے احوال کو ماہ وسال کو لحاظ میں رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔

۳۔ خاتمہ، اس میں مختلف طبقات کے مشاہیر مثلاً اطباء شعراء، ادباء اور علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح میرزا محمد جلال الدین طباطبائی یزدی نے (۱۰۵۰ھ) میں ''بادشاہ نامہ'' تصنیف کی۔ طباطبائی انشاء پردازی میں یگانہ روزگار اور طرز جدید کے موجد ہیں۔ اسی لئے کتاب میں ادبیت غالب ہے، بلکہ نثر مصنوع کا عمدہ نمونہ ہے۔[۳۲] طباطبائی صرف پانچ سال کی تاریخ درج کر پائے تھے کہ حاسدوں کے حسد کا شکار ہوگئے اور کتاب نامکمل رہ گئی، لیکن جتنا موجود ہے وہ ایک سند ہے۔

''بادشاہ نامہ'' محمد وارث لاہوری کی تصنیف ہے جو دراصل عبد الحمید لاہوری کے ''بادشاہ نامہ'' کا تکملہ ہے۔ محمد وارث لاہوری نے شاہ جہاں کے حکم سے اپنے استاد کے کارنامہ کو (۱۰۶۸ھ)

میں مکمل کیا اور استاد ہی کے طرز پر آخری دس سالہ واقعات کو قلمبند کیا۔ اخیر میں اس زمانہ کے مشہور علماء، مشائخ اور شعراء کے احوال کو بھی شامل کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ، ایک تتمہ اور دس فصلیں ہیں۔ سالانہ ترتیب پر مربوط انداز میں حالات کو بیان کیا ہے۔

ایک اور "بادشاہ نامہ" محمد طاہر آشنا کی تصنیف ہے جو اس دور کی مشہور اور معتبر رسمی تاریخ ہے۔ میرزا محمد طاہر آشنا مخاطب بہ عنایت خان ابن ظفر احسن تربتی نے محمد امین قزوینی، عبد الحمید لاہوری اور وارث لاہوری کی پر تکلف اور متنوع تصانیف کو دیکھ کر اندازہ کیا کہ قاری کو اصل مفہوم تک پہونچنا مشکل ہے۔ اس لئے انہوں نے (۱۰۶۸ھ) میں تیس سالہ تاریخ کو سادہ اور آسان زبان میں ایک جگہ جمع کردیا تا کہ عام لوگوں کو آسانی ہو۔ انہوں نے اس کا نام "ملخص" رکھا اس کتاب کو قرزنہ بھی کہتے ہیں، "ماثر الامراء" کے مطابق آشنا ایک اچھے شاعر تھے جن کا دیوان مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ [۱۵]

اس کتاب میں ایک مقدمہ، ایک خاتمہ اور تین قسمت ہیں۔ خاتمہ میں ہندوستان کے جغرافیائی حالات کو بھی شامل کیا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری مشہور تاریخی کتابیں بھی ہیں جن کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

'مجالس الابرار' ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے۔ محمد شریف دکنی نے ۱۰۳۸ھ میں روایتی انداز میں اس کو تحریر کیا اور غزنویوں سے شاہجہاں کے جلوس تک کی تاریخ مربوط انداز میں پیش کی ہے۔ ساتھ ہی دکن، کشمیر اور تیموری عہد کی مختلف صوبائی حکومتوں کے احوال کو سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

"ماثر جہانگیری" (۱۰۴۰ھ) خواجہ کامگار حسینی کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے جہانگیر بادشاہ کی شاہزادگی اور دور حکومت کے احوال کو سادگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"آثار شاہجہانی" یا "اخبار جہانگیری" (۱۰۳۶ھ) محمد صادق دہلوی کی تالیف ہے۔ مؤلف محدث دہلوی کے شاگردوں میں ہیں۔ کتاب میں ایک مقدمہ، ایک مقصد اور ایک خاتمہ شامل ہے، مقدمہ میں کلمہ "بادشاہ" کی مالہ وماعلیہ کے ساتھ توضیح ہے اور شاہجہاں کے آباء واجداد کی تاریخ ہے، مقصد کے ذیل میں انبیاء خلفائے راشدین اور دیندار بادشاہوں کے حالات اور خاتمہ میں شاہجہاں کے دسویں جلوس تک کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

"صبح صادق" (۱۰۴۸ھ) میرزا محمد صادق کی ایک جامع عمومی تاریخ ہے۔ فاضل

مصنف نے تاریخ نگاری کی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے سنبھالتے ہوئے فنی اعتبار سے ایک نئی راہ ایجاد کی ہے۔[16] اس کتاب میں ایک مقدمہ، ایک خاتمہ اور چار باب شامل ہیں۔ ہر ایک باب کئی ذیلی فصلوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز حضورؐ کی ذات گرامی سے کیا گیا ہے اور اپنے زمانہ تک کی اسلامی تاریخ کو مربوط انداز میں بیان کیا ہے خاتمہ میں رجال اور اماکن کی فہرست بھی موجود ہے۔

''تاریخ سلاطین افاغنہ'' یا تاریخ شاہی احمد یادگار نے (۱۰۵۴ھ) میں لکھی یہ داؤدشا کرانی کے ندیموں میں سے ایک تھا، اسی کے ایما پر اس نے یہ کتاب لکھی ہے۔ احمد یادگار سادہ اور پختہ نویسی میں بے نظیر ہیں، تکلفات سے پاک رہ کر بڑی سحر انگیز سلاست اس کتاب میں انہوں نے پیدا کی۔ اس کتاب میں افغان بادشاہوں کی تفصیلی تاریخ ہے۔ لودی اور سوری خاندان کی تاریخ کو بھی شامل کیا ہے۔ کتاب میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، ہر ایک باب میں کئی فصلیں ہیں۔

''منتخب التواریخ'' عہد تیموریہ کی ایک جامع اور اہم تاریخ ہے۔ محمد یوسف بن شیخ رحمت اللہ الاتکی نے (۱۰۵۶ھ) میں لکھ کر شاہجہاں کے نام مخصوص کی۔[17] منظم اور شائستہ انداز میں لکھی گئی اس تاریخ میں ایک مقدمہ، ایک خاتمہ اور پانچ باب ہیں۔ کتاب کی ابتداء میں ایک فصلی فہرست ہے جس کا عام طور پر اس زمانہ میں رواج نہیں تھا۔ عالمگیر کے عہد میں عبد الشکور قتوی نے ''منتخ'' کے نام سے (۱۰۸۴ھ) میں اس کتاب کو ملخص کیا۔

''زبدۃ التواریخ'' تاریخ عمومی عالم کا ایک خلاصہ ہے جو محمد افضل الحسینی کے ذریعہ (۱۰۶۳ھ) میں لکھی گیا۔ مؤلف نے کیومرث شاہ بادشاہ سے لے کر (۱۰۶۳ھ) تک کے احوال سادہ اور آسان زبان میں بیان کئے ہیں۔

''افصح الاخبار'' (۱۰۶۴ھ) بھی دنیا کی عمومی تاریخ ہے، مؤلف محمد باقر افصح تبریزی نے زمانہ قدیم سے لے کر شاہجہاں کے جلوس تک کے احوال کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور سات باب ہیں۔ ہر باب میں کئی فصلیں ہیں۔ مقدمہ میں ایک فہرست اور منابع کا بھی خاص طور پر سے تذکرہ کیا ہے، کتاب کی زبان سادہ اور رواں ہے۔

ان اہم تاریخی آثار کے علاوہ دیگر کتب تاریخ بھی ہیں جو اس دور مین وجود میں آئیں اور اس میں سے بعض دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً بھگونت داس کی کتاب ''نسب نامہ صاحب

قران''، بنولی داس کی'' راجہ دلی'' شیخ عبد الرحمٰن چشتی کی ''مراۃ الاسرار''، محمد صالح ترمذی کی ''مناقب مرتضوی''، ملا طغرا مشہدی کی ''براۃ الفتوح''، شیخ فرید بھرکی '' ذخیرہ الخوانین''، محمد شیف معتمد خان کی ''احوال شاہزادگی''، رشید خان بدیع الزمانتونی کی'' لطائف الاخبار''، جلال الدین طباطبائی کی ''ظفر نامہ کانگرہ'' شیخ جلال حصاری کی ''واقعہ جھجھر سنگ''، ''احوال جگت سنگھ'' اور رگوالیارنامہ''...شیخ محمد صالح کنبوہ کی ''احوال گرفتن بلخ'' اور میر طالب حسینی کی'' واقعات تیموری''، محمد افضل بخاری کی'' ملفوظات صاحب قران''، اور فرنگی خان کی'' تاریخ چین'' وغیرہ۔

منظوم تاریخ نگاری:

تاریخ نگاری کے باب میں شاہجہانی دو رکو یہ خاص اہمیت حاصل ہے کہ شعراء بھی اس طرف متوجہ ہوئے اور شاہنامہ فردوسی کے طرز پر شاہجہان نامہ کی تخلیق کی۔ اس میں سب سے مشہور ملک الشعراء میرزا ابوطالب کلیم ہمدانی کی تخلیق ''شاہجہاں نامہ'' ہے جو''بادشاہ نامہ'' اور شاہنامہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انہوں نے (۱۰۴۷ھ) میں شاہجہاں کے حکم پر کشمیر میں اس کو نظم کیا ہے شاہجہاں کے اول دس سال کی تاریخ اس میں درج ہے۔ کلیم ابھی ہزار بیت ہی نظم کر پایا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور یہ مثنوی نامکمل رہ گئی۔

دوسری منظوم تاریخ حاجی محمد جان قدسی کی ہے۔ قدسی اس دور کا درجہ اول کا شاعر ہے۔ (۱۰۴۷ھ) میں شاہجہاں کے حکم'' پر ظفر نامہ شاہجہانی'' کے نام سے اس کو نظم کیا'' اس مثنوی میں آٹھ ہزار بیت ہیں۔ شاہجہاں کی پیدائش سے دسویں جلوس تک کے احوال سادہ اور رواں اشعار میں درج ہیں۔

''بادشاہ نامہ'' کے نام سے میر یحییٰ کاشی کی ایک اور منظوم تاریخ ہے۔ یحییٰ کاشی اس دور کا صاحب طرز انشاء پرداز اور صف اول کا شاعر تھا اور شاہجہاں کے دربار میں شاہی کتابدار کے عہدہ پر فائز تھا۔ شاہی حکم سے (۱۰۶۴ھ) میں شاہ نامہ نظم کرنا شروع کیا، ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ شاہجہاں کے عتاب کا شکار ہوگیا اور گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی۔

اس کے علاوہ محمد قلی قاسم طہرانی نے ''جنگ اسلام خان''یا'' مثنوی درفتح بنگالہ''

(۱۰۴۷ھ) میں ، علوی نے ''افتتاح سلطانی'' (۱۰۵۷ھ) میں اور ملا سعد اللہ مسیحاپانی پتی نے ''پیغامبر نامہ'' (۱۰۵۰ھ) میں نظم کیا۔ ۱۸؎ مسیحاپانی پتی کی ایک دوسری مثنوی بھی ہے۔ جو''داستان رام وسیتا'' کے نام سے موسوم ہے، یہ مثنوی دراصل ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''رامائن'' کا منظوم ترجمہ ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شاہجہانی دور فارسی ادب وتاریخ نویسی میں کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے درخشندہ اور زریں دور ہے۔ ایک معتد بہ تاریخ شاہکار اس دور کی یادگار ہیں۔ فنی اور تکنیکی لحاظ سے بھی شعوری طور پر اس دور میں ترقی ہوئی، اور اس کے اثرات مرتب ہوئے، بلکہ تیمور کے آخری زمانہ تک ہندوستان میں یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔

حواشی:

۱۔ نزہتہ الخواطر، عبدالحی حسینی ص ۱۵۳

۲۔ کارہند۔ بخش مقدمہ

۳۔ بابرنامہ ص ۲۳۷

۴۔ ایضاً ص ۲۲۷

۵۔ منتخب التواریخ ص ۳۵۳

۶۔ روضۃ السلاطین ص ۵۵

۷۔ بابرنامہ ص ۲۰۹

۸۔ اکبرنامہ ابوالفضل ج۔۱ ص ۳۶۸

۹۔ بزم تیموریہ س ۲۲۵

۱۰۔ اکبرنامہ ابوالفضل ج۔۱ ص ۲۷۱

۱۱۔ تزک جہانگیری ص ۲۲۵

۱۲۔ بزم تیموری ص ۱۶۹

۱۳۔ تاریخ نویسی فارسی در ہندوپاک ص ۳۱۹

۱۴۔ کاروان ہند ص ۱۴۵
۱۵۔ تاریخ نویسی فارسی در ہند و پاک ص ۵۷۔ ۶۲
۱۶۔ تاریخ ہند بروایت مورخان ص ۲۱۳ ج ۴
۱۷۔ ایضاً ص ۳۰۷
۱۸۔ عمل صالح ج ۲ ص ۴۳۸

☆☆☆☆